بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرّم مراد

تنظیم اور اجتماعیت کے ذریعہ ہی انسان وہ عظیم اور دشوار مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں' جن کا حصول ناگزیر ہے' مگر جن کو الگ الگ رہ کر انفرادی طور پر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ یہ معاملہ صرف جہاد کے ذریعہ اعلاءِ کلمتہ اللہ' قیامِ قسط' ایک اور جہانِ نو کی تعمیر جیسے اجتماعی مقاصد ہی کا نہیں۔ ایک فرد کا سب سے اہم اور بڑا ذاتی مطلوب --- یعنی اپنی خداداد شخصیت کا تزکیہ و تربیت' اس کی ترقی و تکمیل کی جستجو' اور دنیا و آخرت میں اپنی فوز و فلاح --- بھی اجتماعیت کے بغیر پوری طرح ممکن نہیں۔ اسی لیے مسجد میں با جماعت نماز ۲۷ گنا افضل ہوئی' مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کے مٹنے کی بشارت دی گئی' اور فجر اور عشا کی با جماعت نمازیں آدھی آدھی رات کے قیامِ لیل کے برابر ٹھہریں۔ اسی لیے حج جیسی دشوار مگر عاشقانہ عبادت کا رکنِ اعظم میدانِ عرفات کے اجتماعِ عظیم میں حاضری قرار پایا۔ اسی لیے' اس کے بغیر کہ کوئی واضح حکم جماعت سازی کا نازل ہوتا اور اس کے لیے دستور اور قواعد و ضوابط نازل کیے جاتے' روزِ اوّل سے قرآنِ مجید نے خطاب کیا تو "اے ایمان لانے والو" کہہ کر کیا' گویا ایمان کے اپنے اندرونی و فطری تقاضے کے نتیجہ میں ایک اجتماعی گروہ وجود میں آچکا تھا جو اس کے روبرو موجود تھا۔

لیکن یہ بات بالکل واضح ہے' اور ہرگز کبھی بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونا چاہیے' کہ تنظیم خود مقصود و محبوب نہیں' نہ تنظیم برائے تنظیم کا کوئی جواز ہوسکتا ہے۔ وہ اس لیے' اور صرف اس لیے' اہم اور محترم ہے کہ فرد کے تزکیہ' اس کی اخروی و دنیوی فوزوفلاح اور قیامِ حق و قسط جیسے فی نفسہٖ مطلوب و محبوب مقاصد کے حصول کا ناگزیر ذریعہ ہے۔ اجتماعیتوں کا مقدّر بالآخر فنا ہے' افراد کے لیے موت کے بعد وہ حیات ہے جس میں موت نہیں۔ اگر تنظیم کے ذریعہ فرد کو

اپنے تزکیہ میں مناسب مدد نہ مل رہی ہو' یا نظامِ حق کے قیام کی طرف پیش رفت نہ ہو رہی ہو' تو وابستگانِ تنظیم کو سب سے پہلے تنظیم کی اصلاح کی فکر کرنا چاہیے۔

تنظیم کی قوت اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کارگر ہونے کا راز کیا ہے ؟

تنظیم کی قوت اور ترقی و توسیع کا راز محض دستور اور قواعد و ضوابط میں نہیں' اگرچہ قواعد و ضوابط کی پابندی اس کی بقا و تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ ایسی تنظیمیں' بلکہ مملکتیں موجود ہیں' جو کسی تحریری دستور اور قواعد و ضوابط کے بغیر ہی پھلی پھولی ہیں۔ بلکہ تحریری دستور تو دورِ جدید کی پیداوار ہے۔

تنظیم کی قوت کا انحصار صرف معیاری افراد کی بھرتی پر بھی نہیں' اگرچہ اپنے سے وابستہ افراد کو اپنے مطلوبہ مقصد کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے رہنا اس کے لیے ضروری ہے۔ ایسی جماعتوں نے بھی قوت حاصل کی ہے' اور عظیم الشّان کارنامے سرانجام دیے ہیں' جنھوں نے داخلہ کے لیے کسی معیار کا مطالبہ نہیں کیا' بلکہ داخلہ کے بعد انسانوں کے سامنے ان کی استعداد و استطاعت کے مطابق معیارِ مطلوب رکھ کر ان پر پورا اترنے کا مطالبہ کیا۔ اور اس کام میں ان کی مدد کی۔ اس کی بہترین مثال خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت ہے۔

تنظیم کی قوت کی بنیاد وہ قول و قرار اور عہد و پیمان بھی نہیں جس کی بنیاد پر لوگ تنظیم میں شامل ہوتے ہیں' اگرچہ ہر تنظیم کسی رسمی یا غیر رسمی عہدوپیمان ہی پر قائم ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ آدم کی سرشت میں نسیان اور عزم کی ناپختگی داخل ہے۔ **وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا** (ہم نے اس سے پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا' مگر وہ بھول گیا' اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔ طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۵)۔ نسیان اور عزم کی کمی کی وجہ سے بھی' اور بعض دفعہ قلب میں نفاق کے مرض کی وجہ سے بھی' عہدوپیمان کی قیمت دو بول یا کاغذ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ ورنہ خود ایمان سے بڑا' محکم اور مقدّس عہد کیا ہوسکتا ہے' مگر اس کے باوجود ایمان کے تقاضے کتنے لوگ اور کس حد تک پورے کرتے ہیں۔

تنظیم کی قوت و توسیع صرف سرگرمیوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی' بالخصوص تنظیمی سرگرمیوں سے' اور ان سے جو محض برائے سرگرمی ہوں۔ اجتماعات' تقاریر' مہمات' جلسے' جلوس' منصوبے' چلت پھرت --- اگرچہ ضروری ہیں --- لیکن فی نفسہٖ اس بات کی علامت نہیں کہ تنظیم قوی اور موثر ہے۔

تنظیم کی قوت محض ڈسپلن' اطاعتِ امر' کنٹرول اور ایک کَسے ہوئے نظم کی مرہونِ منّت بھی نہیں' اگرچہ سمع و طاعت کے بغیر کوئی تنظیم مضبوط نہیں ہوسکتی۔ لیکن فوج سے زیادہ سخت ڈسپلن کہاں ہوگا' فوجیں بھی مورال کی کمزوری سے ہار جاتی ہیں۔ فوج کے طرز پر بنی ہوئی پارٹیاں بھی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔

پھر تنظیم کی قوت کا اصل راز کس چیز میں پوشیدہ ہے ؟

تنظیم افراد پر مشتمل ہوتی ہے' جس طرح ایک دیوار اینٹوں سے بنتی ہے۔ اس کی قوت اور زندگی اس بات پر منحصر ہے کہ اس سے وابستہ افراد اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنے طور پر' از خود' صحیح طریقہ سے کام کرنے کی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ وہ کسی خارجی دباؤ' بالائی ہدایت' کنٹرول اور احتساب یا ایسے ہی رسمی اوز مصنوعی ذرائع و تدابیر کے منتظر و محتاج نہ ہوں۔

وہ خود جانتے ہوں کہ کیا کام کرنا ہے' اور کن حدود کی پابندی کرنا ہے۔ خود ہی اپنے مقصد کے حصول کے لیے فکر مند ہوں' خود ہی سوچیں کہ وہ کیا کرسکتے ہیں' خود ہی اپنے منصوبے بنائیں' خود ہی ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تگ و دو کریں' خود ہی اپنے اوپر نگاہ کریں' اپنے سے رپورٹ لیں' اپنا احتساب کریں' اور خود ہی اپنے کو ٹھیک کریں اور ٹھیک رکھیں۔ ہر فرد تو ایسا نہیں بن سکتا' مگر جس قدر یہ کیفیت حاصل ہوگی' اور جتنے زیادہ افراد میں ہوگی' اتنی ہی تنظیم طاقت ور اور مؤثر ہوگی۔ جتنا افراد نظم میں جکڑے اور کَسے ہونے کی بنا پر کام کریں گے' حکم اور ہدایت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے والے ہوں گے' یکساں اور لگے بندھے کام ہی کرنے کے عادی ہوں گے' اتنی ہی تنظیم کمزور اور غیر مؤثر ہوگی' افراد غیر فعال ہوتے جائیں گے' اور بالآخر خود نظم' اور ہدایت و کنٹرول کی ساری تدبیریں بھی ان کو متحرک کرنے میں ناکام ثابت ہوں گی۔

نظم کے دباؤ اور رسمی و مصنوعی تدابیر کے بغیر از خود کام کرنے والے افراد وہی ہوسکتے ہیں جن میں اپنے مقصد کے ساتھ بھرپور وابستگی' محبت اور وفاداری موجود ہو۔ اور یہ افراد ایک ایسی تنظیم ہی میں پوری طرح نتیجہ خیز ہوسکتے ہیں' جہاں تنظیم کے وسائل اور سرگرمیاں اپنے مقصدِ اصلی کے لیے وقف ہوں۔ یہ نہ ہو کہ تحریر و تقریر میں مقصد کا مقام سب سے اعلیٰ ہو' لیکن وسائل و سرگرمیوں میں اس کا حصہ اتنا کم ہو کہ وہ مقصد مدھم پڑجائے' اوجھل ہو جائے' یا تبدیل ہو جائے۔

زندگانی را بقا از مدعا است
کاروانش را درا از مدعا است

اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا کہ "اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کردیا' اور اسے تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا" (الحجرات ۴۹: ۷)۔ کیونکہ ایمان دراصل زندگی کا قبلہ' راستہ اور منزل متعین کرلینے کا نام ہے۔ایمان کا مرکز کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ ہے' اس لیے فرمایا کہ "جو (حقیقت میں) ایمان لاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں" (البقرہ ۲: ۱۶۵)۔ اسی لیے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص (مطلوبہ درجہ کا) مومن نہیں ہو سکتا' جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ' اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ "جس نے محبت کی تو اللہ کے لیے اور ناراض ہوا تو اللہ کے لیے' اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔" اسی لیے قرآن نے کہا ہے کہ "مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں" (الحجرات ۴۹: ۱۰)۔ اور یہ کہ "اس نے ان کے دل ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ الفت میں جوڑ دیے ہیں" (الانفال ۸: ۶۳)۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اس درجہ میں محبت و وابستگی ہو' تو اس کی راہ میں جہاد کے ذریعہ ان کی نصرت' اور اعلاءِ کلمتہ اللہ کے کام سے بھی اسی درجہ میں محبت ہوجاتی ہے۔ اس لیے ہرچیز سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے کی تعلیم دی' تو ان کے ساتھ جِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ کو بھی جوڑ دیا (التوبہ ۹: ۲۴)۔ محبت کے سوتے دل کے اندر ہوتے ہیں' اور اسی لیے محبت ہو تو اللہ کا کام تن من دھن سے کرنے کا چشمہ بھی دل کے اندر سے ابلتا ہے۔

تنظیم میں جان اور زندگی پیدا کرنا ہے' اس میں شامل افراد سے وہ کام کروانا ہے جس کے لیے تنظیم بنی ہے' تو زیادہ سے زیادہ افراد کے دلوں میں مقصد سے محبت و وابستگی کا یہ تعلق پیدا کرنے پر اپنی توجہات اور کوششیں مرکوز کردینا چاہئیں۔ ملاقاتوں میں' اجتماعات میں' گفتگوؤں میں' تقریروں میں یہی موضوع غالب ہونا چاہیے' اپنے اعمال کو بھی اسی کا مظہر ہونا چاہیے' اور اسی کو پیدا کرنے والے اعمال کی ترغیب دینا چاہیے۔ تنظیم کا کلچر اور اجتماعی ماحول بھی اسی کو نشوونما دے' اور اس کے برعکس صورتحال کو قبول نہ کرے۔

عقل رہنما ہے' اور دلیل سے آدمی صحیح راہ پاتا ہے۔ لیکن محض دلیل اور عقل کا تعلق بڑا کمزور تعلق ہوتا ہے۔ اس کے تاروپود بہت جلد بکھر جاتے ہیں۔ دل کا تعلق اور محبت کا تعلق پائیدار اور مضبوط ہوتا ہے' اور اگر عقل کی رہنمائی میں قائم ہو' تو صحیح بنیادوں پر قائم رہتا ہے۔

کوئی انسان اجتماعیت اور ماحول سے بے نیاز نہیں ہوسکتا' ہر انسان کو محبت کا یہ تعلق پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتا' اور اس تعلق کی بقا و نشوونما کے لیے بھی اجتماعی سرگرمیاں ضروری ہیں' لیکن جہاں جس درجہ میں یہ تعلق ہوگا' وہاں اسی درجہ میں یہ قوت اور استعداد پیدا ہوگی کہ فرد خود اپنے طور پر اپنے مقصد کے لیے کوشاں اور سرگرم رہے۔ یہ تعلق نہ بے وفائی کا ننگ برداشت کرتا ہے' نہ پسپائی اختیار کرتا ہے' نہ یاس کا شکار ہوتا ہے' نہ اس کو خارجی ذرائع اور دباؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ محبت و وابستگی کا تعلق ہو' تو تنظیم تنازع اور اندرونی انتشار سے بھی بچی رہتی ہے اور اختلافات کے تناؤ کو بھی سہار لے جاتی ہے۔

لیکن صرف از خود کام کرنے کی استعداد اور جذبہ کافی نہیں' صحیح اور بہترین کام کرنے کی صلاحیت بھی درکار ہے۔ اس مقصد کے لیے ٹریننگ بھی ضروری ہے' مگر سب سے زیادہ نافع یہ ہے کہ افراد یہ اچھی طرح سمجھ جائیں کہ کیا ہدف ہے' کہاں پہنچنا ہے' کن حدود کا پابند رہنا ہے' کیا چیزیں تنظیم کے کلچر میں قابلِ قبول ہیں اور کیا ناقابلِ قبول' اور اس کے بعد ان کو یہ اختیار اور آزادی ہو کہ اپنی اپنی ذمہ داری کی حد تک تو وہ خود اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے کام کریں۔ اس راہ میں بالکل لگے بندھے طریقوں سے کام کرنے کے بجائے تنوّع' اور ہر کام کے ٹھیک ٹھیک نظم کے حکم کے مطابق کروانے کے بجائے کچھ کوتاہیاں اور لغزشیں برداشت کی جائیں' اور اوپر سے احکام جاری کرکے اصلاح کے بجائے افراد میں یہ صلاحیت و استعداد پیدا کی جائے کہ وہ از خود اپنی اصلاح کرلیں۔

تنظیم کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد کو مقصد کی جگہ رکھے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے وسائل اور سرگرمیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے لگائے۔ تنظیموں کو یہ حادثہ پیش آسکتا ہے کہ دستور و تقریر میں مقصد صحیح رہے' لیکن عملاً وہ مدھم پڑ جائے' یا اس کی جگہ دوسری چیزیں مقصد بننا شروع ہو جائیں۔

جس چیز کے مقصد بن جانے کا خطرہ سب سے بڑھ کر پیش آسکتا ہے' وہ خود تنظیم ہے۔ کیونکہ تنظیم کے بغیر حصولِ مقصد ممکن نہیں ہوتا' اسی لیے تنظیم بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے جتنا مقصد۔ لیکن وہ بہرحال ذریعہ ہے۔ جب وہ خود مقصد بننا شروع ہو جائے تو وسائل اور انسانوں کے وقت اور قوتوں کا روزبروز بڑھتا ہوا حصہ مقصد کی طرف پیش رفت کے بجائے تنظیم کو قائم رکھنے' چلانے اور بچانے میں لگنے لگتا ہے۔

جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے' تو تنظیم کا ہر کل پرزہ اور اس کی ہر حرکت اپنی جگہ بالکل صحیح بلکہ ضروری لگتی ہے' مگر مقصد کی طرف پیش رفت نہیں ہوتی۔ پھر تنظیم کی مثال ایک ایسی گاڑی کی ہو جاتی ہے جس کا ہر حصّہ اپنی جگہ ٹھیک ہو' مسافر بھی بیٹھے ہوں' ڈرائیور بھی موجود ہو' اس کے ہاتھ میں اسٹیرنگ بھی ہو' انجن بھی چل رہا ہو' پٹرول بھی ڈالا جارہا ہو' لیکن گاڑی آگے نہ بڑھ رہی ہو' اور اگر چل بھی رہی ہو تو ایک سال میں ایک چکر کاٹ کر اسی مقام پر آکر کھڑی ہو جاتی ہو جہاں گزشتہ سال تھی۔ اگر آپ دیکھیں کہ عہدیدار بھی ہیں' منصوبے بھی ہیں' دفاتر بھی ہیں' سرکلر بھی ہیں' اجتماعات بھی ہیں' دورے بھی ہیں' تقریریں بھی ہیں' درس بھی ہیں' تربیت گاہیں بھی ہیں' بیت المال بھی ہیں' آمد و خرچ بھی ہے' لیکن انسانوں کے کردار اور صلاحیتوں میں کوئی خاص بہتری نہیں ہو رہی' اور جو دعوت لے کر تنظیم بنی ہے اس کے اثر و نفوذ میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں' تو پھر یہ ایک ایسا تشویش ناک امر ہے جو ہماری فوری توجہ کا محتاج ہے۔

اس کے علاج کے لیے' زبردست اجتہادی قوت سے کام لے کر ہمیں' پرہیز بھی کرنا ہوگا اور دوا بھی۔ دل پر پتھر رکھ کر' ایسے بے شمار کام ترک کرنا ہوں گے جو ماضی میں ہمیں بہت عزیز رہے ہیں' جن کے بغیر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام چل نہیں سکتا' لیکن جن کی اب صرف صورت باقی رہ گئی ہے' حقیقت گم ہو چکی ہے۔ یہ کام اب منزل کی طرف پیش رفت میں کوئی حصّہ ادا نہیں کر رہے' بلکہ بعض صورتوں میں وسائل اور قوتوں کا ضیاع کر رہے ہیں اور ہمیں پیچھے کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ اسی طرح ہمیں ایسے نئے کام بھی کرنا ہوں گے جن سے اگرچہ ہم مانوس نہ ہوں' لیکن وہ آج ہمیں اپنی منزل کی طرف جانے میں مدد و معاون محسوس ہوں۔

تربیت کا معاملہ بھی گہرے غور و فکر کا محتاج ہے۔

یہ اصول تو بنیادی طور پر مسلّمہ ہے کہ اپنی تربیت آپ ہی ہو سکتی ہے' ہر شخص خود اپنی تربیت کے لیے ذمہ دار ہے۔ وہ اکیلا ہی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے کارنامۂ زندگی کی جواب دہی کرے گا' اور اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا الزام نہ تقدیرِ الٰہی پر ڈال سکے گا اور نہ شیطان پر' نہ ماحول پر اور نہ گمراہ کرنے والوں پر۔ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا' اور کوئی اپنی کمائی کے نتائج سے نہ بچ سکے گا' نہ محروم رہے گا۔ اس لیے جب تک افراد خود اپنی زندگی کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر عمل کی راہ پر گامزن نہ ہوں گے' اس وقت تک کوئی تقاریر و تدابیر اور تربیتی پروگرام انہیں نفع نہیں پہنچا سکتے۔

لیکن اگر افراد یہ کام بغیر جماعت اور اجتماعی ماحول کے کرسکتے تو پھر انہیں جماعت میں شمولیت کی کیا حاجت تھی؟ اس لیے جماعت کا فرض ہے کہ وہ افراد کو ایسے تمام وسائل فراہم کرے جن سے ان کو اپنی شخصیت کا تزکیہ کرنے میں پوری پوری مدد ملے۔ ایک فرد جماعت میں شامل ہو' لیکن اس شمولیت سے اسے اپنی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں کوئی مدد نہ ملے' اور برسوں گزارنے کے بعد بھی وہ اسی مقام پر رہے جہاں آغاز میں تھا' تو یہ سودا اس کے لیے نفع کا سودا نہ ہوگا۔

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ تزکیہ کے لیے صحیح علم ناگزیر تو ہے' لیکن یہ کافی نہیں۔ لوگ گناہ اور غلطیاں صرف اس لیے نہیں کرتے کہ وہ علم نہیں رکھتے' بلکہ اکثر اس لیے کرتے ہیں کہ ایسا کرتے ہوئے وہ غافل ہو جاتے ہیں' (اور "ایمان ان کے اندر سے نکل جاتا ہے" جیسا نبیؐ نے فرمایا)' ان کا ارادہ اور عزم کمزور پڑ جاتا ہے' وہ شیطانی وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں' یا وہ اپنے اعمال کی اچھی تاویل کرلیتے ہیں۔ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے' اس لیے کسی جماعت کو اس سے مفر نہیں کہ اس سے وابستہ افراد سے گناہ سرزد ہوں۔ جو ایسے معیاری انسانوں کی تلاش میں ہو' اسے سب سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے۔ بہت تربیت یافتہ ہونا بھی اس کی ضمانت نہیں کہ لغزش سرزد نہ ہوگی۔ انسانوں کے ذریعہ' انسانوں کے درمیان اصلاح کا کام کرنے کے لیے' اور ایسے ہی انسانوں کے معاشرہ پر نظامِ حق قائم کرنے کے لیے انسانی فطرت کی اس حقیقت کا ادراک بھی بہت ضروری ہے۔

تربیت کے لیے' علم کے بعد دو ہی چیزیں کلیدی مقام رکھتی ہیں۔ ایک' فرد کا اپنا ارادہ اور سعی۔ دوسرے' صالح ماحول اور صحبتِ تقریر۔ درس' مطالعہ' تربیتی پروگرام --- ان سب کا ہدف انہی دو چیزوں کی افزائش اور نشوونما ہونا چاہیے۔ جماعتی ماحول ایسا ہو جہاں نیکیاں پروان چڑھیں اور برائیاں اس طرح ناقابلِ قبول ہوں کہ انسان کو کرنے کی ہمت بھی نہ ہو۔

اصلاح و انقلاب کے لیے جو بھی تدبیر اختیار کی جائے اس کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہرحال میں انسان درکار ہوں گے۔ ان کے دل جیتنا ہوں گے۔ ناکامی کے معنی لازماً تدبیر کی خرابی نہیں' یہ انسانوں کو اپنے ساتھ نہ لے سکنے کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ افراد اور معاشروں میں اصلاح و انقلاب کا اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ بگڑے ہوئے انسان کے اندر ہی وہ قوت پیدا کرنا ہوتی ہے جس سے وہ اپنی اصلاح کرے' اور بگڑے ہوئے انسانوں کے معاشروں ہی میں سے وہ انسان فراہم کرنا ہوتے ہیں جو انسانوں اور معاشروں کی اصلاح کردیں' اور اچھے برے ہر قسم اور ہر

رنگ کے انسانوں کے اوپر ہی نظامِ حق قائم کرنا ہوتا ہے۔ اس بنیادی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھنے یا ملحوظ نہ رکھنے ہی کی وجہ سے لوگ فکروعمل میں کجی یا یاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہم ایک بگڑی ہوئی مسلم امّت کے درمیان اصلاح و انقلاب کے کام کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں اسی امّت میں سے وہ سرمایہ فراہم کرنا ہوگا جو یہ کام کرسکے' اور خود اسی امّت کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانا ہوگا۔ امّت کے درمیان اگر ہم نے جماعت بنائی تھی' تو سیّد مودودیؒ کے الفاظ میں

> ہم اپنی کوئی الگ جماعت بنانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ہماری خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں میں اس چیز [اپنے اصل مقصدِ وجود اور اس کے لیے جدّوجہد] کا صحیح احساس پیدا ہو . . . ہم نے جماعت اس وقت بنائی جب ہماری ۹ سال کی مسلسل تبلیغ و تلقین کے باوجود مسلمانوں نے من حیث القوم اس راہ کو اختیار نہ کیا جسے ہم پیش کر رہے تھے۔
> (جماعتِ اسلامی کا مقصد' تاریخ اور لائحہ عمل' ص ۳۶ - ۳۷)

یہی بات انہوں نے ۱۹۵۱ میں جماعت کے دستور پر گفتگو کرتے ہوئے یوں کہی'

> اس جماعت کی حیثیت بعینہٖ "امّت" کی سی نہیں۔ بلکہ امّت کے اندر ایک ایسی جماعت کی سی ہے جو فریضۂ اقامتِ دین سے امّت کی عام غفلت کو دیکھ کر اس لیے منظّم کی گئی ہے کہ اس فریضے کو ادا کرنے کے لیے خود کوشش کرے' اور بتدریج پوری امّت کو اپنی اس کوشش میں شریک کرے۔ (ترجمان القرآن ج۳۶' عدد۵'۶۔ مطابق ستمبر۱۹۵۱)

یہ "بتدریج پوری امّت کو اپنی اس کوشش میں شریک" کرنے کا چیلنج ہی آج وقت کے خطرات کا مقابلہ کرنے اور امکانات سے جہانِ نو پیدا کرنے کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس چیلنج کا جواب دیے بغیر کسی تدبیر سے بھی کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔

تنظیم ہو یا تربیت' یا پوری امّت کو شریک کرنے کا چیلنج' ہم اپنے اجتہاد سے جو تدابیر اور صورتیں اختیار کرنا چاہیں ان کے ضمن میں ہمیں سیّد مودودیؒ کے پیش کردہ درج ذیل اصول رہنما اصولوں کے طور پر سامنے رکھنا ہوں گے۔

> ۱ - خلافت راشدہ میں جو [تدابیر اور] صورتیں اختیار کی گئیں وہ سب بھی منصوص نہ تھیں' بلکہ چند مباح صورتوں کو حالات و ضروریات کے لحاظ سے اختیار کرلیا گیا تھا۔

ہمارے لیے بالکل جائز ہے کہ اپنے حالات و ضروریات کے لحاظ سے ہم کچھ دوسری صورت میں دوسری مباح صورتیں اختیار کرلیں۔

۲- کسی [تدبیریا] تجویز کو نہ اس بنا پر رد کردیجیے کہ یہ طریقہ خلافتِ راشدہ میں رائج نہ تھا' اور نہ کسی دوسری تجویز پر صرف اس لیے اصرار کیجیے کہ یہی طریقہ اس زمانہ میں رائج تھا۔ (ترجمان القرآن ج ۳۶' عدد ۵ '۶ - مطابق ستمبر ۱۹۵۱)

اگر خلافتِ راشدہ کے دور میں اختیار کردہ تدابیر اور صورتوں کے بارہ میں یہ اصول صحیح ہیں کہ وہ حرفِ قاطع نہیں' اور ان پر صرف اس لیے اصرار صحیح نہیں کہ یہی اُس زمانہ میں رائج تھیں' تو اپنے نظم' تربیت اور وسعت کے بارہ میں ہمارے اپنے ماضی میں اختیار کردہ اجتہادی طریقوں اور تدابیر پر تو ان کا اطلاق بدرجۂ اتم صحیح ہے۔

حسنِ تزئین کے بعد' ماہ جنوری ۱۹۹۴ سے آپ کا یہ رسالہ' ماہنامہ ترجمان القرآن' ہماری بری بھلی کوششوں کے بعد انشاء اللہ آپ تک پہنچے گا۔ حسنِ ظاہری تو ایک حد تک ہمارے اختیار میں ہے۔ صفحات کی تعداد بھی ڈیڑھ گنا سے زائد ہو کر ۸۸ ہو جائے گی' اور کاغذ بھی سفید استعمال ہوگا۔ حسنِ باطنی کے لیے ہم کوشش ہی کرسکتے ہیں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور ہم ایک ایسا پرچہ مرتب کرنے کے قابل ہوں جو آپ کی دینی' علمی' تہذیبی' تربیتی' انفرادی اور اجتماعی ضروریات پوری کرسکے' اور جو مستقبل ملتِ اسلامیہ کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے' اس کو حقیقت بنانے میں اپنا حصہ ادا کرسکے۔

اپنی کوششوں کے اصل اجر کے لیے تو ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں۔ لیکن آپ سے یہ درخواست ضرور کریں گے کہ آپ اپنے حلقۂ تعارف میں' اپنے اقربا و احباب میں' اپنے مقام اور حلقۂ ذمّہ داری میں بھرپور کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے پڑھیں۔ سالانہ خریدار بھی بنائیں' اور ایجنٹ حضرات کو بھی آرڈر دیں' اور نئی نئی ایجنسیاں قائم کرانے کی بھی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا۔